28

اپنے اندر بیداری پیدا کرو اور اپنی سستیوں اور غفلتوں کو ترک کر دو

(فرمودہ 31 اگست 1945ء بمقام بیت الفضل ڈلہوزی)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"دنیا میں کوئی وقت سہولت اور آہستگی کا ہوتا ہے اور کوئی وقت جلدی اور بھاگ دوڑ کا ہوتا ہے۔ کوئی وقت آدمی کے لئے عاجزی اور انکسار کا ہوتا ہے اور کوئی وقت جرأت اور بہادری ظاہر کرنے کا ہوتا ہے۔ بڑے بڑے بھاری بھر کم آدمی جو بظاہر تکلّف کے ساتھ چلتے ہیں، جو ہر ایک کام میں آہستگی کے ساتھ ہاتھ ڈالتے ہیں اور ہر قدم اس طرح اٹھاتے ہیں کہ دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ زمین اپنی کشش کی وجہ سے ان کو اپنی جگہ سے ہلنے نہیں دیتی۔ جب ایسا موقع آجائے کہ آہستگی اُن کو خطرہ میں ڈالنے والی ہو اور ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ آہستگی سے کام نہیں چلے گا تو وہی لوگ جلدی کرنے لگ جاتے ہیں۔ اور اپنی ساری سنجیدگی اور تکلفات کی چادر کو اٹھا کر ایک طرف پھینک دیتے ہیں۔

ہمارے ملک میں ایک لطیفہ مشہور ہے۔ لکھنؤ اور دہلی کے لوگ بڑے تکلف والے ہوتے ہیں۔ دہلی والے اس بات کے مدعی ہیں کہ تہذیب و تمدن کا جو نمونہ دہلی والے دکھلا سکتے ہیں دوسرے لوگ نہیں دکھا سکتے۔ اور لکھنؤ والے اس بات کے مدعی ہیں کہ جو نمونہ تہذیب و تمدن کا لکھنؤ والے دکھا سکتے ہیں دہلی والے نہیں دکھا سکتے۔ عام طور پر دہلی والے مرزا کہلاتے ہیں اور

لکھنؤ والے میر کہلاتے ہیں کیونکہ دہلی میں مغلوں کی حکومت تھی اور لکھنؤ میں شیعوں کی۔ لکھنؤ کے نواب سادات میں سے تھے اور دہلی کے بادشاہ مغلوں میں سے۔ اس لئے دہلی کے بڑے بڑے رؤساء ملک میں مرزا کہلاتے تھے اور لکھنؤ کے رؤساء میر کہلاتے تھے۔ اس لئے جب کوئی لطیفہ بنانا ہو اور اسے دہلی یا لکھنؤ والوں کی طرف منسوب کرنا ہو تو دہلی والوں کو مرزا اور لکھنؤ والوں کو میر کہتے تھے۔ اسی طرح کا ایک مشہور لطیفہ ہے کہ ایک سٹیشن پر دہلی کے مرزا صاحب اور لکھنؤ کے میر صاحب جمع ہو گئے۔ جب گاڑی آئی تو دونوں نے اپنے اپنے شہر کی تہذیب و تمدن کی برتری ثابت کرنے کی کوشش کی۔ دونوں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہو گئے مرزا صاحب کہنے لگے قبلہ میر صاحب! پہلے آپ تشریف رکھیئے۔ میر صاحب کہنے لگے نہیں نہیں قبلہ مرزا صاحب پہلے آپ تشریف رکھئے۔ آپ مجھے کیوں کانٹوں میں گھسیٹتے ہیں۔ اسی حیص بیص 1 میں گاڑی چل پڑی۔ جب گاڑی چلی تو نہ میر صاحب قبلہ باقی رہا اور نہ مرزا صاحب قبلہ باقی رہا۔ دونوں ایک دوسرے کو دھکّے دینے لگے اور ایک نے دوسرے سے پہلے اندر داخل ہونے کی کوشش کی۔ اور جب ایک دوسرے کے راستے میں حائل ہوئے تو گالی گلوچ تک بھی نوبت پہنچ گئی۔ یہ مثال اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے بنائی گئی ہے کہ بسا اوقات انسان کو اپنا جھوٹا وقار نازک مواقع پر ترک کرنا پڑتا ہے۔ لیکن جو سچی آہستگی اور سہولت ہوتی ہے وہ بھی ایک موقع پر چھوڑنی پڑتی ہے۔ اور اگر انسان اسے نہ چھوڑے تو ذلیل اور ناکام ہو جاتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب معاہدہ کے ماتحت مکہ میں عمرہ کے لئے تشریف لے گئے تو وہ ملیریا کا موسم تھا۔ صحابہؓ پر راستہ میں بخار کا حملہ ہو گیا اور یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ صحابہؓ کے لئے چلنا پھرنا دوبھر ہو گیا۔ حتّٰی کہ ہتھیار اُٹھانے بھی مشکل ہو گئے۔ معاہدہ کے مطابق مکہ کے لوگ جبلِ ابو قبیس پر چلے گئے تھے اور وہاں کھڑے ہو کر مسلمانوں کو دیکھ رہے تھے۔ اُس وقت جبکہ بعض مسلمانوں کے لئے طواف کرنا بھی مشکل ہو رہا تھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک موقع پر ہنستے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ کو تکبر سخت ناپسند ہے مگر فلاں شخص کی تبختر 2 کی چال اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آئی ہے۔ آپ نے اُس صحابی سے پوچھا کہ تم

اَکڑ اَکڑ کر کیوں چلتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! کفار جبلِ ابو قبیس پر بیٹھے ہمیں دیکھ رہے ہیں اور بخار نے ہماری کمریں توڑ دی ہیں جس کی وجہ سے ہم اچھی طرح چل بھی نہیں سکتے۔ میں ڈرتا ہوں ایسا نہ ہو کہ ہمیں کُبڑے چلتا دیکھ کر کفار کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ اب ہم مسلمانوں کو مار لیں گے۔ اس لئے جب میں اِس جہت میں آتا ہوں جہاں سے اہلِ مکہ ہم کو دیکھ سکتے ہیں تو میں سینہ تان لیتا ہوں اور اَکڑ کر چلتا ہوں تا کہ انہیں معلوم ہو کہ ہم خواہ کتنے ہی بیمار ہوں ان کے مقابلہ کے لئے پوری طرح تیار ہیں۔ اب دیکھو خدا تعالیٰ نے اس کی چال کو بہت پسند کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں کرتا۔

جس طرح افراد کی زندگیوں میں بعض دَور آہستگی کے آتے ہیں اور بعض بھاگ دوڑ کے۔ اِسی طرح قوموں کی زندگیوں پر بھی مختلف مواقع آتے ہیں۔ کبھی ایسا موقع آتا ہے جب سستی اور غفلت کو برداشت کیا جا سکتا ہے اور کبھی ایسا موقع آتا ہے جب سستی اور غفلت کو برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس بات کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا کہ کمزور مرتے ہیں یا طاقتور یا سارے ہی تباہ ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا بندہ جس کے ہاتھ میں اُس وقت جماعت کی باگ ڈور ہوتی ہے بیدردی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے منشاء کے ماتحت اپنے ماننے والوں کی جان کی پروا نہ کرتے ہوئے انہیں حکم دیتا چلا جاتا ہے کہ فلاں کام اِس طرح کرو اور فلاں کام اِس طرح۔ اور اُس جماعت کے امام اور رہنما کا فرض ہوتا ہے کہ جس طرح تنور میں لکڑیاں ڈالی جاتی ہیں یا جس طرح دانے بُھوننے والا بھٹی میں پتّے ڈالتا چلا جاتا ہے اِسی طرح وہ لڑائی کے تنور میں اپنی جماعت کو جھونکتا چلا جائے۔ اُس وقت اُس کے دل میں رحم کا پیدا ہونا خود اُس کے لئے اور اُس کی قوم کے لئے ظلم ہوتا ہے۔ اور اگر وہ رحم سے کام لے تو وہ رحم، رحم نہیں ہوگا بلکہ ظلم ہوگا۔

ابھی پچھلے دنوں مجھے ایک دوست نے لکھا کہ ہماری جماعت کو چاہیے کہ یتامیٰ اور بیوگان کی خبر گیری پر باقی کاموں کو چھوڑ کر زیادہ زور دے۔ میں نے انہیں جواب دیا کہ یہ جہاد کا وقت ہے جبکہ ادنیٰ امور کی بجائے اہم امور کو اپنے سامنے رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ (لیکن پھر بھی ہم یتامیٰ اور بیوگان کی خبر گیری کرتے ہیں۔ اور ہماری جماعت قریباً پچاس ساٹھ ہزار روپیہ سالانہ ان پر خرچ کرتی ہے۔ اتنی چھوٹی سی جماعت اپنی دوسری ذمہ داریوں کو ادا کرتے ہوئے

اتنی رقم یتیموں، مسکینوں اور بیواؤں کے کھانے اور پہننے وغیرہ پر خرچ کر رہی ہے کہ جس کی مثال دوسری قوموں میں نہیں ملتی۔ بعض یتامیٰ کو وظائف دیئے جاتے ہیں، بعض کو تعلیم دلوائی جاتی ہے اور ان میں سے بعض جو زیادہ ذہین ہوتے ہیں ان کو کالجوں میں تعلیم دلوائی جاتی ہے۔ اِسی طرح جماعت یتامیٰ و مساکین کے لئے غلّے کا انتظام کرتی ہے۔ اور یہ ایسا کام ہے کہ دوسری جماعتیں جو ہم سے دس بیس گُنا بڑی ہیں وہ بھی ایسا کام نہیں کر رہیں) پس اگر کسی وقت یہ سوال پیدا ہو جائے کہ ہم یتامیٰ کی طرف توجہ کریں یا کفر و اسلام کے مقابلہ اور احمدیت کی اشاعت کی طرف؟ اور یہ کہ اگر ہم یتامیٰ و مساکین کی طرف توجہ کریں گے تو اسلام کی عمارت کو بلند کرنے کے لئے ہمارے پاس کچھ باقی نہیں رہے گا۔ تو اُس وقت نوجوانوں کی قربانی تو الگ رہی، یتامیٰ و مساکین کی قربانی کرنے سے بھی مجھے دریغ نہیں ہو گا کیونکہ اسلام کی اشاعت بہر حال مقدم ہے اور یہ مقصد یتامیٰ و مساکین کی پرورش سے زیادہ اعلیٰ اور بلند ہے۔

غرض ایک وقت قوم پر ایسا آتا ہے جب دوسری ساری چیزوں اور سارے خیالات کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ میں نے پچھلے خطبہ میں بیان کیا تھا کہ یہ وقت احمدیت کے لئے نہایت نازک ہے اور میں نے اِس کی مثال بچے کی پیدائش سے دی تھی۔ بچہ کی پیدائش کا وقت بہت نازک وقت ہوتا ہے اگر یہ وقت خیر و عافیت سے گزر جائے تو سارا گھر خوش ہوتا ہے کہ ایک نیا وجود دنیا میں آیا۔ حالانکہ وجود تو اُس وقت سے تھا جب باپ کا نطفہ ماں کے رحم میں گیا۔ بلکہ اس سے بھی پہلے جب وہ نطفہ باپ کی کمر میں تھا۔ اُس وقت بھی اس کا وجود تھا۔ مگر جو ارتقائی حالتیں ہیں اُن میں سے گزر کر اُس کا عالَم وجود میں آنا حقیقی رنگ سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح ہماری جماعت کے لئے پیدائش کا وقت آرہا ہے۔ اور غالباً بیس سال کے عرصہ میں اِس پیدائش کا ظہور ہونے والا ہے۔ فرد کی پیدائش کو بہت تھوڑا وقت لگتا ہے۔ بعض ماؤں کو تو صرف ایک دو منٹ درد ہو کر بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض ماؤں کو ایک دو گھنٹہ کی درد کے بعد بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض حالتوں میں تین تین چار چار دن گزر جاتے ہیں اور پھر بچہ پیدا ہوتا ہے۔ مگر قوموں کی پیدائش افراد کی پیدائش کی طرح نہیں ہوتی۔ وہ دنوں اور مہینوں کے ساتھ تعلق نہیں رکھتی بلکہ سالوں کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ بعض دفعہ قوموں کی پیدائش پر دس بیس یا تیس

سال لگ جاتے ہیں اور بعض دفعہ اس سے بھی زیادہ عرصہ لگ جاتا ہے۔ مگر بہر حال جیسے ماں کو دردِ زِہ ہوتی ہے تو گھر میں افراتفری پڑ جاتی ہے وہی حالت اِس وقت ہماری جماعت کی ہے۔ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کے قانونِ قدرت نے دردِ زِہ پیدا کی ہے اور آئندہ بیس سال کی کوششوں کے نتیجہ میں احمدیت کا زندہ یا مُردہ بچہ پیدا ہونے والا ہے۔ ایسے وقت میں دوسرے کسی خیال کو مد نظر نہیں رکھا جا سکتا بلکہ ایک ہی خیال کو مد نظر رکھا جا سکتا ہے۔ اور وہ یہ کہ آنے والا واقعہ خیر و عافیت سے گزر جائے۔ پس اِس وقت ہماری جماعت کے لئے نہایت ہی نازک موقع ہے اور ہر قسم کی سُستی اور غفلت کو دور کرنے کا وقت ہے۔ وہ لوگ جو سستی اور غفلت سے کام لیں گے اُن کا اِس بچہ کی پیدائش میں کوئی حصہ نہیں ہو گا۔ اور جو خوشی بچے کی پیدائش کے نتیجہ میں انسان دیکھتا ہے اس خوشی میں وہ حصہ دار نہیں ہوں گے۔ دنیا میں افراد کے بچے افراد کی طرف منسوب ہوتے ہیں مگر قوم کا بچہ قوم کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ اگر احمدیت نے شان و شوکت والی زندگی حاصل کر لی تو ہر احمدی کو اس نئی پیدائش کی وجہ سے ایک نئی زندگی حاصل ہو گی۔ مگر ساتھ ہی ہر قربانی کرنے والا احمدی اس بچہ (یعنی احمدیت) کی پیدائش کا موجب اور اس کا باپ سمجھا جائے گا۔ یہ خدا تعالیٰ کی عجیب قدرت ہے کہ افراد اور جماعت میں جو نسبت ہے وہ دوسری چیزوں میں نہیں ملتی۔ اگر ہم غور کریں تو ہر فردِ جماعت کا باپ ہوتا ہے اور جماعت افراد کی باپ ہوتی ہے۔ اور یہ دنوں باتیں صحیح ہیں۔ یہ بھی صحیح ہے کہ بغیر افراد کے جماعت نہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ بغیر جماعت کے افراد نہیں۔ یہ بھی صحیح ہے کہ جماعت افراد سے بنتی ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ افراد جماعت سے بنتے ہیں۔ یہ ایک عجیب قسم کا دورِ تسلسل ہے جسے منطقی لوگ ناجائز قرار دیتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ کے قانونِ قدرت میں ہمیں یہ صحیح طور پر نظر آتا ہے۔ جس طرح دنیا آج تک یہ حل نہیں کر سکی کہ مرغی پہلے تھی یا انڈا۔ اِسی طرح یہ بھی پتہ نہیں لگا سکتی کہ افراد سے جماعت بنتی ہے یا جماعت سے افراد بنتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر افراد ناقص ہوں تو یہ نہیں ہو سکتا کہ کامل طور پر جماعت بن جائے اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ جماعت ناقص ہو اور افراد اعلیٰ قسم کے بن جائیں۔ جب تک

افراد کامل پیدا نہیں ہوتے اُس وقت تک جماعت بھی کامل نہیں ہو سکتی۔ اور جب تک جماعت کامل نہیں ہوتی اُس وقت تک افراد بھی کامل نہیں ہوتے۔ جتنی آزاد قومیں ہیں اُن کو عزت کا مقام اُن کے افراد کی وجہ سے حاصل ہے اور جتنی عزتیں افراد کو حاصل ہیں وہ جماعت کی وجہ سے ہیں۔ اگر انگلستان امریکہ، روس، جاپان اور جرمنی وہ قربانیاں نہ کرتے جو انہوں نے کیں توان کی قوم کو کوئی زندگی حاصل نہ ہوتی۔ اب تو جرمنی اور جاپان پر سیاسی لحاظ سے تباہی آگئی ہے لیکن قومی طور پر یہ قومیں ابھی زندہ ہیں۔ اگر ان کے افراد قربانیاں نہ کرتے اور ان میں جماعت بندی اور تنظیم نہ ہوتی توان کے افراد کو جو عزتیں حاصل ہیں وہ بھی حاصل نہ ہوتیں۔ انگلستان کی عزت انگریزوں کی وجہ سے ہے اور ہر انگریز کی عزت انگلستان کی وجہ سے ہے یونائیٹڈ سٹیٹس آف امریکہ کی عزت اس کے افراد کی قربانیوں کی وجہ سے ہے۔ لیکن اس کے افراد کی ساری عزت یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح احمدیہ جماعت کی زندگی اُس کے افراد کی وجہ سے ہوگی اور احمدیہ جماعت کے نئے وجود سے افراد کو عزت ملے گی۔ پس یہ وہ وقت ہے جبکہ جماعت ایک وجود کو پیدا کرنے والی ہے۔ اور اس وجود کی پیدائش پر ہر وہ فرد جس نے قربانی کی ہوگی فخر کرے گا۔ یا بالفاظِ دیگر وہ جماعت کو پیدا کرنے والا ہوگا اور جماعت اس کو پیدا کرنے والی ہوگی۔ اور اسے ایک نئی پیدائش حاصل ہوگی جو اسے پہلے حاصل نہ تھی۔ افراد اور جماعت کا یہ دَورِ تسلسل ہمیشہ سے چلا آیا ہے اور آئندہ بھی چلتا چلا جائے گا۔ اِس نازک موقع پر ہماری جماعت کی تاریخ میں جو تغیر پیدا ہونے والا ہے وہ جماعتی لحاظ سے نہایت عظیم الشان ہے کیونکہ یہ تغیر قلیل عرصہ میں ہوگا۔ اور پھر یہ تغیر ایسے لوگوں کے ذریعہ ہوگا جو دنیا میں بدترین اور ذلیل سمجھے جاتے ہیں۔ آج دنیا میں مسلمانوں کی حیثیت کیا ہے؟ وہ ہر جگہ ذلیل سمجھے جاتے ہیں کوئی ان کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ آج جرمن اور جاپان شکست خوردہ اور گری ہوئی قومیں ہیں لیکن پھر بھی ان گری ہوئی قوموں کا زیادہ لحاظ کیا جاتا ہے۔ مغربی اقوام ان گری ہوئی قوموں کا زیادہ خیال رکھتی ہیں۔ انہیں ان گری ہوئی قوموں کی غذا اور دوسری ضروریاتِ زندگی کے پورا کرنے کا زیادہ فکر ہے۔ مگر مصر، شام، عراق، ایران اور ہندوستان کے مسلمانوں کا انہیں کوئی فکر نہیں۔ ایسی قوم میں سے ایسے

وجودوں کا پیدا ہونا کہ دنیا ان کے متعلق یہ کہنے لگ جائے کہ اب ہمیں نظر آتا ہے کہ یہ لوگ دنیا پر غالب آ جائیں گے۔ یا کم از کم دنیا میں ایک ہیجان پیدا کر دیں گے کوئی معمولی بات نہیں۔ میں سمجھتا ہوں اِس کے لئے جتنی بھی قربانیاں کی جائیں تھوڑی ہیں۔ عام طور پر لوگوں میں یہ مقولہ مشہور ہے کہ اگر میری کھال کے تسمے بنا کر بھی فلاں کی جُوتیوں میں باندھے جائیں تو یہ مجھ پر احسان ہوگا ایسا ہی اگر ہمارے چمڑوں کے تسمے بنائے جائیں اور اسلام کا جو جسم تیار ہو رہا ہے اُس کے جُوتوں میں باندھنے کے کام آ جائیں تو یہ ایک ایسی عزت ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

پس اپنے اندر بیداری پیدا کرو اور اپنی سستیوں اور غفلتوں کو ترک کرو۔ جب ریل گاڑی چلنے والی ہوتی ہے تو جو شخص تیزی سے چلتا ہے وہ گاڑی پر سوار ہو جاتا ہے اور جو سستی سے کام لیتا ہے وہ گاڑی پر سوار ہونے سے رہ جاتا ہے۔ جو لوگ تیزی سے چلیں گے وہ وقت پر پہنچ کر گاڑی میں سوار ہو جائیں گے اور عزت حاصل کر لیں گے۔ اور جو تکلّفات میں رہیں گے وہ گاڑی پر سوار نہیں ہو سکیں گے اور ذلیل ہو جائیں گے۔ آخر ہر ایک نے مرنا ہے اور مرتے وقت کوئی آدمی بھی اپنا مال اپنے ساتھ نہیں لے جائے گا۔ جن چیزوں کی دنیا میں قدر ہوتی ہے وہ راحت، آرام، اچھا کھانا پینا اور اچھا پہننا ہے۔ اور یہ چیزیں ایک عرصہ کے بعد انسان کی زندگی کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہیں۔ مگر جو افراد اپنی قوم کی زندگی کے لئے قربانیاں کرتے ہیں اُن کے نام ہمیشہ کے لئے زندہ ہو جاتے ہیں۔ ہر قوم کی تاریخ میں بڑے بڑے افراد نے جو قربانیاں کی ہیں اور ان قربانیوں کے نتیجہ میں جو عزتیں ان کو حاصل ہوئی ہیں اگر ان عزتوں کو ان قربانیوں کے مقابلہ میں رکھا جائے تو وہ قربانیاں کوئی بھی حیثیت نہیں رکھتیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے جو قربانیاں کیں یا حضرت عمرؓ نے جو قربانیاں کیں یا حضرت عثمانؓ نے جو قربانیاں کیں یا حضرت علیؓ نے جو قربانیاں کیں وہ بے شک بہت بڑی نظر آتی ہیں لیکن اگر حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ دوبارہ زندہ ہو جائیں اور وہ دنیا کے گلی کُوچوں میں سے گزرتے ہوئے یہ سنیں کہ حضرت ابو بکرؓ نے یوں فرمایا، حضرت عمرؓ نے یوں فرمایا ہے، حضرت عثمانؓ نے یوں فرمایا، حضرت علیؓ نے یوں فرمایا اور دوسری طرف وہ یہ

دیکھیں کہ کچھ لوگ ہاتھوں میں لٹھ لئے چلے جارہے ہیں اور غصہ کی وجہ سے اُن کی آنکھیں سرخ ہورہی ہیں۔ ان سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا وجہ ہے؟ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ کو فلاں شخص نے برا کہا ہے یا حضرت عمرؓ کو فلاں شخص نے برا کہا ہے یا حضرت عثمانؓ کو فلاں شخص نے برا کہا ہے یا حضرت علیؓ کو فلاں شخص نے برا کہا ہے تو میں سمجھتا ہوں ان کو اپنی قربانیاں ذلیل ترین چیزیں نظر آنے لگیں گی اور وہ خیال کریں گے کہ ہم نے کوئی قربانی نہیں کی۔

ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایک صحابی شہید ہوئے اور آپ نے اُن کے بیٹے کو دیکھا کہ وہ سر نیچے ڈالے ہوئے افسردہ جارہے ہیں۔ آپ نے اس سے پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! میرا باپ شہید ہو گیا ہے، پیچھے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں ان کے خیال سے میں متفکر ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا تمہیں پتہ ہے کہ تمہارے باپ سے اللہ تعالیٰ نے کیا سلوک کیا ہے؟ اگر تمہیں علم ہوتا تو تم اس طرح افسردہ نہ ہوتے۔ پھر آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ کی روح کو اپنے سامنے حاضر کیا اور کہا تم مجھ سے مانگو جو کچھ مانگنا چاہتے ہو۔ میں تمہاری ہر خواہش پوری کروں گا۔ انہوں نے کہا خدایا! میری صرف اتنی خواہش ہے کہ مجھے دوبارہ زندہ کر کے دنیا میں بھیجا جائے تاکہ میں پھر اسلام کی خدمت کرتا ہوا مارا جاؤں۔ پھر مجھے زندہ کیا جائے اور پھر میں مارا جاؤں اور پھر مجھے زندہ کیا جائے اور پھر میں مارا جاؤں۔ میری یہی خواہش ہے کہ میں بار بار اسلام کی خاطر جان دوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے اپنی جان ہی کی قسم ہے کہ اگر میں نے یہ عہد نہ کیا ہوتا کہ میں کسی انسان کو دوبارہ دنیا میں واپس نہیں بھیجوں گا تو میں تیری اس خواہش کو ضرور پورا کرتا۔3

غرض یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان کو وقت سے پہلے قربانیاں بھاری اور گراں نظر آتی ہیں۔ ہر طالب علم جو سکول جاتا ہے وہ سکول جانا کتنی مصیبت سمجھتا ہے۔ اسے سبق یاد کرنا پڑتا ہے، لکھائی کا کام کرنا پڑتا ہے اور کبھی کبھی کام نہ کرنے پر اسے استاد سے مار بھی کھانی پڑتی ہے۔ لیکن کیا کوئی طالب علم ایسا ہے جس نے بعد میں اپنے سکول کی زندگی پر نظر کی ہو اور اس نے اپنی پہلی زندگی پر افسوس کیا ہو؟ تمہیں کوئی طالب علم بھی ایسا نظر نہیں آئے گا جو اپنی

گزشتہ محنت پر افسوس کا اظہار کرتا ہو۔ بے شک یہ چیزیں تکالیف کا باعث ہوتی ہیں لیکن وہ کامیابیاں جو ان کے نتیجہ میں آتی ہیں دائمی ہوتی ہیں اور وقتی چیز دائمی چیز کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ پس ہماری جماعت کو وقت پہچانتے ہوئے اپنے اندر تبدیلی پیدا کرنی چاہیے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہماری جماعت کے دوستوں نے پہلے بھی اپنے اندر تبدیلیاں پیدا کی ہیں۔ لیکن دوستوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ ہر نئے قدم پر نئی تبدیلی کی ضرورت ہوتی ہے۔ پہلی تبدیلی اپنے وقت کے ساتھ گزر گئی۔ اور اب پھر نئی تبدیلی کی ضرورت ہے۔ کل کی قربانی آج کام نہیں آسکتی۔ جس طرح کل کا کھایا ہوا آج کام نہیں آسکتا۔ جماعت کے لئے اب ایک نیا دَور آنے والا ہے۔ ایک نیا پھیرا اور ایک نیا چکر ہے جس پر اللہ تعالیٰ جماعت کو پھیرنا چاہتا ہے۔ جو اس چکر پر پھرے گا اور جس طرف اللہ تعالیٰ موڑنا چاہے گا مڑ جائے گا وہ آنے والے فضلوں کو حاصل کرلے گا۔ لیکن جو شخص یہ کہے گا کہ میں بہت سے چکر پہلے کاٹ چکا ہوں اور اب تھک گیا ہوں اس لئے میں یہ چکر نہیں کاٹ سکتا اس کی مثال اس شخص کی سی ہوگی جو یہ کہتا ہو کہ میں نے کل پرسوں یا اترسوں کھانا کھایا تھا اس لئے آج کھانا نہیں کھاؤں گا۔ جو شخص زندگی کے ساتھ کھانا ترک کر دیتا ہے وہ زندگی نہیں بلکہ موت کا منہ دیکھتا ہے۔ اِسی طرح جو جماعتیں صرف اپنی پچھلی قربانیوں پر انحصار رکھتی ہیں اور آئندہ قربانی کرنے سے رُک جاتی ہیں وہ زندگی نہیں بلکہ موت کا منہ دیکھتی ہیں۔“ (الفضل 11 ستمبر 1945ء)

1: **حیص بیص:** شور و غوغا۔ تکرار۔ لڑائی جھگڑا

2: **تبختر:** ناز سے چلنا، غرور سے چلنا، تکبر سے چلنا

3: ترمذی ابواب تفسیر القرآن تفسیر سورۃ آل عمران